بدلتی دنیا کے تقاضے اور فکر اقبال

حافظ محمد جنید رضا

پی ایچ ڈی اسکالر

گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور

Email: wisdomiscreation@gmail.com

خلاصہ

آج انسان گلوبل ولیج میں رہ رہا ہے بلکہ وہ توپوسٹ الیون دور میں رہ رہا ہے۔اس دور میں دنیا کو دہشت گردی کا مقابلہ کرنا سب سے زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔اس دور میں ہر قوم اپنی تہذیب و ثقافت سے دور ہو رہی ہے۔دنیا میں تمام لوگ اس صورت حال سے پریشان ہیں کہ کیسے انسان کو پر امن رکھا جائے ، کیسے اس میں برداشت پیدا کی جائے اور کیسے یہ اپنی تہذیب و ثقافت سے جڑت کو قائم رکھ سکتا ہے۔مجھے یہ لگتا ہے کہ فکر اقبال میں اس کا حل موجود ہے۔آج کی اس تشویش ناک صورت حال میں اقبالیات کا مطالعہ ہی کام آ سکتا ہے۔لوگ جب علوم و فنون کی جانب راغب ہو گیں تو وہ پر امن ہو جائیں گے اور ان میں برداشت آئے گی۔لوگ شاعری کی طرف آئیں گے اورنثر نگاری کی طرف آئیں گے تو وہ اپنی راہ سے نہیں بھٹکیں گے۔ان کی شاعری میں جذبہ عشق کو ہی راہنما بنا لیا جائے تو آج کے انسان کی کامل راہنمائی بہت آسان ہو جائے گی۔پھر یقین ہو جائے گا کہ فکر اقبال سے ہی بدلتی دنیا کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

دنیا کے حالات جس تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں یہ انسان کو ورطہ حیرت میں مبتلا کرنے کے لئے بہت ہیں۔سائنس اور ٹیکنالوجی کی اس صدی میں سب سے پہلے دنیا کو عالمی گائوں کہا گیا ۔الیکٹرانک میڈیا ، موبائل فون، انٹرنیٹ اور سماجی رابطے کی ویب گاہوں نے انسانی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔نائن الیون کے بعد دنیا کے حالات یکسر تبدیل ہوئے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت دنیا کے تمام ممالک کو سپر پاور امریکہ کے ساتھ مل کر دہشت گردوں کا مقابلہ کرنا ضروری قرار پایا۔اس کا نعرہ یہ لگایا گیا کہ آپ ہمارے ساتھ ہیں یا نہیں ہیں۔اس میں پاکستان امریکہ کی حمایت کا اعلان کرتا ہوادہشت گردی کے خلاف جنگ میں پیش پیش رہا۔اس مادی ترقی نے انسانی زندگی کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور نئے بیانیے کے تحت انسان جو صرف پیسے کمانے کی مشین تھا وہ عالمی منڈیوں کا صارف بن کر رہ گیا۔سرمایہ داری کے ہیر پھیر میں سالوں کی کمائی ہوئی دولت محض چند لمحوں اور گھڑیوں کو گزارنے کے قابل رہتی ہے۔دہشت گردی کے خلاف جنگ میں افغانستان اور عراق نے بہت نقصان اٹھایا اور وہاں لاکھوں لوگ لقمہ اجل بنے۔وار اگینسٹ ٹیرر ، وار اگینسٹ مسلم لگنے لگی۔پاکستان کے اندر طالبان کے خلاف بڑے پیمانے پر آپریشن ہوا اور عالمی سپر پاور امریکہ کو مطلوب افراد ان کی ایما پر انھیں دے دیئے گئے۔یک جنبش زبان ان کے سامنے ڈھیر ہونے پر دنیا میں خون کی ہولی کھیلی گئی۔لوگوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینکا گیا۔اس انتشار نے لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کو مفلوج کر دیا۔بہت سے نوجوان ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے، قلم کتاب کی دوستی کو ترک کرنے کے بعد بندوقوں اور پستولوں سے یارانے بنائے۔ جس سے ملک خداداد پاکستان کو نا قابل تلافی نقصان ہوا۔الیکٹرانک میڈیا سے جو مغربی تہذیب کی یلغار ہوئی تو لوگ مشرقی تہذیب کو بھولنے لگے۔دانشوروں نے تہذیبوں کے اس تصادم کو سنجیدگی سے دیکھا اور اس کے سد باب کی کوششوں کو تیز کیا۔ایسی افراتفری اور انتشار کے دور میں دنیا کے مفکرین متذبذب تھے کہ کیسے امن بحال کیا جائے اور نوجوانوں کو کتاب دوستی کی جانب مائل کیا جائے؟مجھے اس کا بہترین حل یہ لگتا ہے کہ نئی نسل کو کتاب دوستی کی جانب راغب کیا جائے اور ان میں علامہ اقبال کی فکر کو عام کیا جائے۔کیوں کہ شاعر ، ادیب کا پہلا مقصد امن اور محبت کا پرچار کرنا ہے۔آرٹ یعنی فن انسان کے جذبات ، احساسات اور خواہشات کے متعلق بات کرتا ہے۔جب آج کا نوجوان شعرو ادب سے وابستہ ہو گا اور اپنی تخلیقی و تنقیدی صلاحتیوں کو بروئے کار لائے گا تو یقیناً دنیا میں امن کی بحالی کے نئے منصوبے بنائے گا اور نئی دنیائوں کی

کھوج میں اپناکردار ادا کرے گا۔دنیا کے بڑے شاعروں کی شاعری پڑھے گا اور بڑے فکشن نگاروں کے ناول اور افسانے پڑھے گا تو دنیا بھر کے علم سے روشناس ہو گا۔یقیناً ایک بڑا شاعر اور ادیب دنیا کے بڑے نظریات سے جان کاری رکھتا ہے اور اسے اپنے فن کاحصہ بناتا ہے۔ایسے میں علامہ اقبال کی شاعری ، خطوط اور خطبات پڑھنا سب سے زیادہ مفید ہے۔کیوں کہ ان کی شاعری میں مشرقی روایات اور تہذیب و ثقافت رچی بسی ہوئی ہے۔وہ عشق کی کارفرمائیوں پر یقین رکھتے ہیں اور انسانی حمیت اور خودداری کو سب سے زیادہ اہم قرار دیتے ہیں۔اسلام جس امن، محبت ، مساوات، بردباری اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے اورجو اخلاص و مروت اسلامی تہذیب وثقافت کی پہچان ہے ، ان سب کا درس کلام اقبال میں بیان کیا گیا۔علامہ اقبال کبھی خاک مدینہ کو اپنی آنکھ کا سرمہ قرار دیتے ہیں، کبھی عشق رسول ﷺ سے سرشار ہو کرحضرت محمد ﷺ سے وفا داری کو دونوں جہان کی کامیابی سے معنون کرتے ہیں۔

ان کی شاعری ، خطوط اور خطبات کو پڑھنے کے بعد ایک بات کا احساس سب سے زیادہ ہوتا ہے اور یہ ان کا وسعت مطالعہ ہے۔اس میں مشرقی مفکرین کے ساتھ ساتھ مغربی مفکرین کے حوالے جا بجا ملتے ہیں اور اسلامی تاریخ کے اکابرین کا تذکرہ ملتا ہے۔اس ضمن میں ان کے زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ جس میں وہ صبح سویرے مطالعہ کرتے ہیں اور ان کے استاد گرامی ان سے کہتے ہیں کہ اقبال تم ورزش نہیں کرتے جس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ استاد محترم کتاب پڑھنا دماغی ورزش ہے اور یہی ورزش کر رہا ہوں۔اس خوب صورت جواب پر ان کے استاد گرامی بے اختیار مسکرا ٹھتے ہیں۔ان کی ذاتی لائبریری جب سول لائنز کالج کو دی گئی تو اس کی کتب دیکھ کر لوگ ورطہ حیرت میں مبتلا ہو گئے۔ان سب کتابوں پر علامہ اقبال نے اپنی پنسل سے سطریں نشان زد کی ہوئی تھیں اور ان کے ساتھ اپنے تاثرات قلم بند کئے ہوئے تھے۔اس مطالعے کے بعد ہی یقیناً اس اعلیٰ درجے کی شاعری کرنے میں کامیاب ہوئے۔یہاں معاملہ نہ صرف نظریات کا ہے بلکہ یہاں تو معاملہ فنی ریاضت کا ہے۔اگر اردو شاعری کی روایت دیکھیں تو جو خوبیاں اردو کے بڑے شاعروں کے کلام میں پائی جاتی ہیں ،وہی خوبیاں علامہ اقبال کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔اردو غزل کو میر سے سودا تک اور غالب سے مومن تک دیکھا جائے تو جو روانی ان کے ہاں ہے اور جو تشبیہات و استعارات انھوں نے برتے ویسے ہی بلکہ ان سے زیادہ نادر و نایاب تشبیہات و استعارات علامہ اقبال کے کلام میں نظر آتے ہیں۔ان کے کلام کی پختہ کاری کا ایک زمانہ معترف ہے۔اس لئے انھیں پڑھنے والا جب اتنا معیاری کلام پڑھے گا تو یقیناً وہ خود بھی شعر کہے گا اور کوشش کرے گا کہ ایسا شعر کہے جس میں شعراقبال کی ہم سری تو بے شک نہ ہو سکے لیکن کم از کم اس میں شعر اقبال کی خوش بو ضرور آئے۔ایسا کرنے کے لئے جب وہ محنت کرے گا تو قلم اور کتاب کی برکت سے عدم تشدد کے جانب مائل ہو گاوہ کبھی قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے گا۔وہ مکالمے اور گفتگو کی طرف آئے گا نا کہ انتشار اور جھگڑے کی طرف جائے گا۔اس لئے ایسے نازک حالات میں کلام اقبال کو راہبر اور راہنما بنا کر ہی عدم تشدد کی راہ اپنائی جا سکتی ہے اور نئی نسل کو عدم برداشت سے بچایا جا سکتا ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے مرشد روحانی مولانا روم کی طرح عشق کی کارفرمائیوں پر یقین رکھا۔اس میں رب نے علامہ اقبال کو ایسی برکتوں اور کامیابیوں سے نوازاکہ آج اگر کوئی اسلامی تاریخ سے زیادہ واقفیت نہ رکھے اور مولانا روم کے نظریات سے واقف نہ ہو ، وہ علامہ اقبال کے نظریات سے واقف ہو کر دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کر لے گا۔اقبال نے حرکت و عمل کا ایسا پیغام دیا جس نے لوگوں کی کاہلی دور کر دی۔اس تحرک نے برصغیر کے مسلمانوں کا جمود توڑ دیا اور انھوں نے اپنے گلے میں ڈلا غلامی کا طوق اتار پھینکا۔یہاں کا تصوف جب زہر قاتل بن گیا ، فلسفی لوگ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو بیان کرنے کے لئے فلسفیانہ موشگافیاں بھگارتے اور لوگ بے یقینی کا شکار ہو کر بے عملی کی جانب مائل ہوتے، ایسے میں انھیں عشق کی کارفرمائیوں کی جانب راغب کر کے محنت کی برکتوں پر یقین دلوانے کا کام علامہ اقبال نے سر انجام دیا۔اس عشق کی معراج عشق مصطفی ﷺ کی صورت حاصل کرنے کے بعد لوگوں نے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔انھوں نے باطل کو شکست دی اور نفرتوں کو شکست دی اور آزادی جیسی عظیم نعمت کو حاصل کرکے ساری دنیا کو حیران کر دیا۔ ان کے جذبہ عشق کو بڑے بڑے ماہر اقبالیات نے اپنی کتب میں بیان کیا،" زندہ رود" میں فرزند اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال ، "حیات اقبال" میں ڈاکٹر سید سلطان محمود، "ذکرِ اقبال" میں عبدالمجید سالک ،" روزگار فقیر" میں سید وحید الدین، " تصورات عشق و خرد (اقبال کی نظر میں) " میں ڈاکٹر وزیر آغا،"روحِ اقبال" میں ڈاکٹر یوسف حسین خان ،" مسائل اقبال" میں ڈاکٹر سید عبداللہ اور " اقبال سب کے

لئے" میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے علامہ اقبال کے جذبہ عشق کو ان کے نظام فکر کی بنیاد اور اساس قرار دیا۔انھوں نے اپنے کلام میں جا بجا لفظ عشق کو برتا اور اسی نے ان کے کلام کو پر کشش، جاذب نظر ، خوب صورت اور حسین بنا دیا۔اس میں ایسی اثر پذیری آ گئی کہ جس نے پڑھا وہ دیوانہ ہو گیا اور جس نے سنا وہ بھی دیوانہ ہو گیا۔اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں،

" اقبال کے نظامِ فکر و فن میں عشق کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، ایسی اہمیت جسے نظر انداز کر کے کوئی شخص ان کے فلسفہ حیات سے بہرہ مندی اور ان کی شاعری سے لطف اندوزی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔"[1]

اس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کلام اقبال کو اس وقت تک مکمل سمجھنے کا دعویٰ نہیں کیا سکتا جب تک کوئی ان کے جذبہ عشق سے شناسائی حاصل نہ کر لے۔حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ والہانہ عشق کی بے پناہ مثالیں ہیں،اس لئے انھوں نے مخلوق خدا سے عشق کیا،اولیا کرام سے عشق کیا اور انبیا کرام سے عشق کیا۔کوئی شخص اس وقت تک مکمل مسلما ن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو اپنی جان، مال اسباب اور رشتہ داروں سے بڑھ کر عزیز نہ رکھے۔علامہ اقبال نے عملی طور پر حضور اکرم ﷺ کو اپنی زندگی میں سب سے زیادہ عزیز رکھا۔عشق رسول ﷺ نہ صرف ان کی شاعری کے لئے محرک عمل رہا بلکہ یہ ان کی زندگی کا محرک عمل تھا۔اگر کوئی مجھ سے کہے کہ علامہ صاحب کا کوئی ایسا شعر سنا دو جس میں ان کی شاعری کا اصل اصول سمجھا جا سکے تو بلا جھجک یہ شعر سنا دوں گا،

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو وہ تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں[2]

اس شعر میں انھوں نے اپنا عقیدہ بیان کر دیا اور باقی شعروں کو اسی جذبے کے زیر اثر تخلیق کیا۔اسی مضمون سے متصل دوسرا شعر یوں بیان کیا کہ،

قوت عشق ﷺ سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے [3]

ان کی شاعری کا بنیادی پیغام ہی یہی ہے کہ اگر رسول اکرم ﷺ سے عشق کیا جائے اور ان کی اطاعت کی جائے تو اللہ تعالیٰ انسان کو ہر میدان میں کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔اس کی زندگی مثالی ہو گی اور آ خرت قابل رشک ہو گی۔دوسرے شعر میں وہ زندگی کے ہر شعبے میں عشق رسول ﷺ کے جذبے سے بہتری لانے کے متمنی ہیں اور انھوں نے کائنات کو اسم محمد ﷺ سے روشن کرنے کا درس دیا۔ان کے اس جذبے کو بیان کرتے ہوئے زاہد حسین صاحب نے کہا،

" علامہ اقبال کا دل عشق مصطفی ﷺ نے گداز کر دیا تھا۔زندگی کے آخری زمانے میں تو یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ کا ذکرِ مبارک آتے ہی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے۔"[4]

اس اقتباس نے ان کے جذبہ عشق کو واضح کر دیا۔ یہ تو وہ جذبہ ہے جو کہ خلفا راشدین کا تھا، صحابہ کرامؓ کا تھا اور اولیا کرامؒ کا تھا۔اس جذبے نے ان تمام کو اعلیٰ اخلاقیات کا درس دیا اور انھیں انسانیت کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز کر دیا۔انھوں نے جب سوچا بنی نوع انسان کا سوچا اور پیار محبت کا درس دیا۔کمزور اور غریب کی مدد کرنے کو فرضِ عین سمجھا۔رنگ، نسل، فرقے ، خطے اور مذہب کی تفریق کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انسانیت کی فلاح کا سوچا۔علامہ سید وحید الدین نے اپنی شہر ہ آفاق کتاب روزگار فقیر میں بیان کیا کہ،

" وہ ایسے مسلمان تھے جو رسول اللہ ﷺ کی خاک پا کو سرمہ چشم بصیرت اور اکسیر و کیمیا سمجھتے تھے۔ان کا دل گداز اور ضمیر بیدار تھا۔" [5]

یعنی یہاں ان کے جذبہ عشق کی انتہا بیان کی گئی۔انھوں نے خاکِ پائے رسول ﷺ کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا اور اس کی بدولت ان کا دل گداز ہو گیا یعنی اس میں نرمی پیدا ہوئی اور وہ دوسروں کے دکھ کو محسوس کرنے لگا۔پھر یہ کہ ان کا ضمیر کا بیدار ہو گیا۔اسے عطیہ خداوندی سے معنون کیا جا سکتا ہے کہ لوگ تو غفلت میں رہتے ہیں اور جس کا ضمیر بیدار ہو جائے۔وہ یقیناً اس کی آواز سنتے ہوئے ہر کس و ناقص کا سہارا بنے گا۔مظلوم و محکوم کا ساتھ دے گا اور غلامی کے خاتمے تک اپنی جد و جہد جاری رکھے گا۔انھیں عشق کی کارفرمائیوں پر ایسا یقین کامل تھا اور وہ اس سے نا ممکن کام کو ممکن بنا دینے کا ہنر جانتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس دور میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی جب واجبی تعلیم حاصل کرنا بھی جوئے شیر

لانے کے مترادف تھا اور اس دور میں ان کی شاعری پوری دنیا میں پڑھی گئی کہ جب یہاں کتاب چھپنے کا کلچر بھی درست طریقے رواج نہیں پایا تھا۔انھیں یقیناً اللہ تعالیٰ کی عنائیت خاص اور اکابرین اسلام کا فیضِ عام اور بلا شبہ ان کا عزم صمیم و جہد مسلسل کا نتیجہ قرار دیا جائے تو ہی مناسب ہو گا کیوں کہ ایسے زوال کے دور میں مسلمانوں کے ہاں اتنی علمی شخصیت کا پیدا ہونا واقعی اس صدی کا اہم ترین واقعہ تھا۔ان کے دو شعر ان کے جذبہ عشق کو بہترین بیان کرتے ہیں،

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی [6]

اور

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام

اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں [7]

پہلے شعر میں عشق کی کارفرمائی بیان ہوئی،عشق کو عقل پر فوقیت دی گئی اور اس جذبے نے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔دوسرے شعر میں وہ عشق کی ایک چھلانگ سے اس زمین و آسمان کو مسخر کرنے کی بات کرتے ہیں۔ان کا بنیادی جذبہ نا ممکن کو ممکن بنا دینے کا ہے اور یہی جذبہ ان کی شاعری میں جا بجا نظر آئے گا یا یوں سمجھ لیں اسی جذبے کو انھوں کئی انداز سے بیان کیا۔ان کے اسلوب نے اس موضوع کو دوام بخش دیا۔ان کو رب نے ایسا بلند آہنگ اور بلند لہجہ عطا کیا کہ جس سے انھوں نے بڑے اسباق دیئے۔یہی اسباق وقت کی ضرورت ہیں۔اگر آج یہ ملک پر امن ہو نا چاہے اور ترقی کرنا چاہے تو پھر علامہ اقبال کے نظریہ عشق کو ملحوظ رکھنا ہو گا۔اسی سے محبت کا جذبہ پروان چڑھے گا اور یہ قوم اپنی محنت سے ہر ناممکن کام کو ممکن کر دکھائے گی۔تعلیم کے میدان میں کارہائے نمایاں سر انجام دے گی اور اپنی معیشت کو مضبوط بنائے گی۔اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس قوم کا ہر فرد اسلامی تہذیب کا استعارہ بن جائے گا اور وہ بھائی چارے کی ایسا فضا قائم کرے گا جو دنیا بھر میں اس کی ایسی پہچان بنائے گا جس پر یہ ملک اس پر فخر کرے گا۔اس لئے آج کے دور میں علامہ اقبال کے جذبہ عشق کو فروغ دینا وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے اور یہی اس ملک و قوم کو یکجا رکھے گا۔

علامہ اقبال نے نظم لکھی تو ایسی لکھی جو اردو نظم کی روایت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی اور غزل لکھی تو ایسی لکھی جس کی نظیر اردو غزل کی روایت میں نہیں ملتی۔ان جیسا عظیم شاعر آج تک کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا۔پوری دنیا میں شاعری کی تاریخ دیکھی جائے اور ان میں سے پانچ عظیم شاعروں کا انتخاب کیا جائے تو ان میں علامہ اقبال کا نام سر فہرست ہو گا۔ان کی شاعری فن کے بنیادی لوازمات پورے کرتے ہوئے ایسے موضوعات سامنے لائی جو اس سے پہلے محض چند عظیم شاعروں نے برتے۔اردو نظم کی روایت میں نظیر اکبر آبادی اور اکبر الہ آبادی بہت بڑے نظم گو شاعر گزرے ، علامہ اقبال کی نظم نے نا صرف ان کے طے کردہ معیارات کو پورا کیا بلکہ ان معیارات کو بلند کیا۔ان کی نظم میں ایسا ربط ہے، ترنم ہے ، تسلسل و روانی ہے جس نے گزشتہ شاعروں کی نظم نگاری کو بھلا دیا اور لوگ ان نظموں کے حسن میں کھو گئے۔ان پر ان نظموں نے سحر طاری کر دیا۔جب کوئی نظم انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں علامہ صاحب ترنم کے ساتھ پڑھتے تو اس میں موجود عوام کا سمندر جھوم اٹھتا۔لوگ سر دھنتے اور عش عش کر اٹھتے۔آج بھی جب کوئی علامہ صاحب کی نظم پڑھے تو اس کی روانی اور ترنم کے ساتھ بہہ جائے۔ اس کے موضوعات دیکھے تو ششدر رہ جائے۔یہ شاعری انکشاف ذات سے بڑھا کر تکمیل ذات کی جانب راہنمائی کرے گی۔انسانی زندگی کا خلا یہ پڑھ کر بھرتا نظر آئے گا۔اردو غزل کے معیارات کو جس قدر میر اور غالب نے بڑھایا۔علامہ صاحب نے اس میں مزید اضافہ کیا۔آج بھی علامہ اقبال جیسی غزل لکھنے کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔اس غزل میں عالمی موضوعات کو برتا گیااوراس میں عالمی سیاست کی کارفرمائیاں بیان کی گئیں۔علامہ اقبال نے ملٹن کی پیرا ڈائز لاسٹ کے جواب میں جاوید نامہ لکھا اور گوئٹے کے دیوان شرق و غرب کے جواب میں پیام مشرق لکھی۔ایسے شاہکار اسی وقت تخلیق پاتے ہیں جب کوئی فنی معاملات پر مکمل عبور رکھتا ہو اور مشاق شاعر ہو۔انھوں نے ہئیت کے اعتبار سے بہت ہئیتوں میں لکھا اور موضوعات کے اعتبار سے اردو ادب کو نئے موضوعات عطا کئے۔وہ عروض کی باریکیاں سمجھتے اور انھیں کمال ہنر مندی و کمال فن کاری و پر کاری سے برتتے۔اس لئے آج کا نوجوان جب سیکھنے کی غرض سے ان کی مثال کو پیشِ نظر رکھے گا اور ان جیسی شاعری کرنے کی آرزو کرے گا تو سب سے پہلے فن کو سیکھے گا اور اس میں مشق سے وہ ہنر مندی حاصل کرنے کی سعی کرے گا جو علامہ صاحب کو حاصل تھی۔اس

کوشش میں وہ ایسی صحت مند مصروفیت حاصل کر لے گا کہ دنیا کے تمام بے کار کاموں سے نجات حاصل کرلے گا۔وہ تخریبی سرگرمیوں سے بچتا ہوا تعمیری کام کرے گا۔اس کا یہی تخلیقی عمل ایسی ایسی تخلیقات سامنے لائے گا جو نئی نسل کی کامل راہنمائی کرنے کے لئے کافی ہو گا۔ان کی شاعری کو اردو ادب کے نامور ناقدین نے سراہا اور ان کے مجموعے بالِ جبریل کو بہت استادانِ سخن اور سخن شناس شخصیات نے نہایت عمدہ قرار دیا۔یہ ان کا دوسرا مجموعہ ان کی وفات سے تین سال قبل اشاعت پذیر ہوا اور اس میں ان کے فن کا عروج نظر آیا۔ڈاکٹر خواجہ محمد زکریاصاحب اس کا سنہ اشاعت جنوری ۱۹۳۵ء لکھتے ہیں۔اپنی کتاب ''تفہیم بال جبریل'' میں یوں رقم طراز ہوئے،

'' بالِ جبریل کا پہلا اڈیشن جنوری ۱۹۳۵ء میں دس ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔''[8]

اس اقتباس سے نہ صرف بال جبریل کی اشاعت کا سنہ اور مہنہ واضح ہو جاتا ہے بلکہ اس کے پہلے اڈیشن کی تعداد واضح ہو جاتی ہے۔اتنی تعداد میں تو آج بھی کوئی شاعر ، ادیب اپنی کتاب نہیں چھپواتا۔یقیناً اسے اعتماد سے معنون کیا جائے گا کہ اس وقت ایک شاعر اپنے فن پر کتنا یقین رکھتا تھا!

اسی مجموعے کے بارے میں‌نبیرۂ اقبال جناب منیب اقبال صاحب یوں رطب اللساں ہوئے،

'' جیسے ''بالِ جبریل '' ان کا اردو شاعری میں سب سے اہم اضافہ ہے۔''[9]

وہ بالِ جبریل کو اردو شاعری کا سب سے اہم اضافہ قرار دے رہے ہیں۔اس مجموعے کا مفہوم جبریل کے پر ہیں اور اسی مفہوم سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تخیل کی کیا بلندی اس میں نظر آئی ہو گی۔اس میں موجود غزلیات جہاں تغزل میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں ، ان کا ترنم ، ان کا ربط ، ان کی موسیقیت، ان کی غنائیت بے مثال ہے ویسے ہی اس کے موضوعات آفاقی اور ہمہ گیر ہیں۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب اس مجوعے کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

''بانگ درا کے بر عکس بالِ جبریل بغیر کسی تمہید کے شائع ہوئی ۔غالباً اقبال نے محسوس کیا کہ ان کی شاعری، فکر و فن کے اس معیار و مرحلے تک پہنچ چکی ہے کہ اب نئے مجموعے کے آغاز میں کسی پس منظر ، تعارف یا توضیح کی ضرورت نہیں۔''[10]

ان کے نزدیک علامہ صاحب اس مجموعے کی اشاعت کے وقت شاعری کی معراج حاصل کر چکے تھے۔واقعی وہ نا صرف بر صغیر میں بلکہ پوری دنیا میں اپنی پہچان رکھتے تھے اور ان کے نظریات کی بنیاد پر پوری دنیا میں ان کے نام لیوا نظر آتے۔اگر انھوں نے واقعی یہ سوچتے ہوئے کوئی تمہیدی کلمات نہیں لکھے تو واقعی اس مجموعے میں ان کا فنی کمال عروج پر نظر آیا ، جسے کسی تمہید کوئی ضرورت نہ تھی۔ان کی شاعری کو نقادانِ سخن نے اپنے اپنے انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا،ڈاکٹر سعادت سعید نے کہا،

'' اقبال کے اشعار قارئین کے دلوں میں جذبے اور احساس کی حرارت پیدا کرنے کا فریضہ سر انجام دے چکے ہیں اور دے رہے ہیں۔''[11]

یہاں شعر اقبال کی اس خوبی کا ذکر کیا گیا ، جس کے تحت قارئین کلام اقبال پڑھنے کے بعد جذبات کو پر جوش پاتے ہوئے زندگی میں آگے بڑھنے کا سوچتے اور حرکت و عمل سے کار ہائے نمایاں سر انجام دیتے دکھائی دیئے۔پروفیسر عطاء اللہ نے کہا،

''شاعری میں اقبال کی پوری عمر گزری اور اس کی شاعری نے دنیائے اسلام میں‌ایک انقلاب برپا کر دیا۔'' [12]

واقعی بر صغیر کے وہ مسلمان جو بے عملی کی جانب مائل تھے وہی لوگ پر عزم ہوئے تحریک پاکستان کے رکن بنے اور دنیا کی ہر طاقت سے ٹکرانے کو تیار ہو گئے۔انھوں نے تعلیم حاصل کی اور پھر عملی سیاست کی۔بے مثال ایثار اور قربانی کے جذبے کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلمان بھائیوں کو دنیا کے سامنے معزز بنانے کا کام کیا۔خود کو علم کی طاقت سے مضبوط کیا۔اسی بارے غلام صابر نے کہا،

''اقبال کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر ہر لفظ ان کے دل سے نکلتا ہے اور ملت کے افرادکے دل میں اتر جاتا ہے۔''[13]

یہاں اس خلوص اور نیک نیتی کے جانب اشارہ کیا گیا جس کے تحت علامہ اقبال نے شاعری کی۔یہ ان کے جذبات کی سچائی ہی تھی اور ان کا اخلاص ہی تھا کہ جس نے ان کے کلام کی اثر انگیزی کو بڑھایا۔اس میں ایک ایسی چاشنی پیدا ہوئی کہ جس نے بھی ان کا کوئی شعر پڑھا وہ جھوم اٹھا۔پاکستان کے جس گلوکار نے یہ کلام پڑھا وہ مشہور ہو گیا اور بڑے بڑے گلوکاروں نے نہایت ادب و احترام سے کلام اقبال پڑھا۔اسے پڑھا اور فخر سے پڑھا ، اسے پڑھنے کو اپنی خوش بختی سمجھا۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ عنائیت خاص علامہ اقبال پر ان کے خلوص اور نیک نیتی کے سبب ہی ہوئی۔اس لئے ان

کی یہ تمام خوبیاں مد نظر رکھتے ہوئے ، ان کے حصول کی کوشش کرنا۔یہ آج کے دور کی ضرورت ہے۔اسی سے پر امن ریاست کے قیام کو ممکن بنایا جا سکے گا۔ان موضوعات کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی پہلے تھی۔پہلے بھی عالمی استعماری طاقتوں کاسامنا کرنا پڑا اور آج بھی عالمی استعماری قوتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔پہلے بھی خود کو تعلیم کے حصول کی جانب لے کر جانا تھا اور آج بھی لے کر جانا پڑے گا۔تب ہی کامیابی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا۔اسی ضمن ڈاکٹر معین الدین عقیل نے کیا خوب کہا،

" میں اس عہد میں جی رہا ہوں۔۔۔۔جو فکری اعتبار سے ابھی اقبال ہی کا عہد ہے۔"[14]

اس اقتباس کا مطلب یہ ہوا کہ اقبال کی فکر آج کے عہد میں کامل راہنمائی کا کام کرے گی۔جیسے اس وقت کے مسلمانوں نے اس سے راہنمائی لی اور ان کو کامیابی نصیب ہوئی بالکل اسی طرح آج کے مسلمان اسے پڑھ کر رانمائی لیں گے تو یقیناً کامیاب ہوں گے۔ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر زاہد منیر عامر صاحب یوں رقم طراز ہوئے،

" اقبال بنیادی طور پر ایک شاعر تھے لیکن ایسا شاعر جس کی انگلیاں قوم کی نبض پر تھیں اور جس نے اپنی فلسفیانہ شاعری کے ذریعے وہ کام انجام دیا جو تاریخ میں اس سے پہلے کسی اور شاعر کو شاید ہی نصیب ہوا ہو۔"[15]

اس میں جابجا ان کی اس شہرت عام کا ذکر کیا گیا کہ جسے پانے کا ہر شاعر متمنی ہوا لیکن یہ کسی کسی کے حصے میں آئی اور جو شہرت علامہ اقبال کو ملی وہ شہرت تو شاید ہی کسی کو ملی ہو یعنی ان کی شہرت ان سے پہلے کے سب شاعروں سے زیادہ بڑھ گئی۔ایسے میں ان کی شاعری سے راہنمائی لینا قابل نجات ہوگا اور اس میں کامیابی یقینی ہوگی۔اس لئے ان کے پیغام سے رانمائی لی جائے تو آج کے مسائل سے خلاصی ہوگی اور دوسرا ان کی فن میں پیروی کی جائے تو یہ بہت سے معائل کو رفع کرے گی۔

ان کی پیروی میں لوگ فنی ریاضت کریں گے تو وہ اس سے خود میں بہتری لائیں گے اور لوگوں کو نئی راہیں سجھانے کے قابل ہوں گے۔اس سے معاشرے میں برداشت ، تحمل ، بھائی چارے اور مساوات کی راہیں ہوں گی۔لوگ پر امن رہیں گے اور پیار محبت کا درس عام کریں گے۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اس بدلتی ہوئی دنیا میں اگر فکر اقبال کو راہنما بنا لیا جائے تو اس قوم کو ترقی سے کوئی نہیں روک سکے گااورآج کے تمام مسائل کا حل فکر اقبال کی ترویج ہی سے ہو گا۔

حوالے

[1] فرمان فتح پوری، ڈاکٹر ، اقبال سب کے لئے،لاہور:الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ئ،ص:۲۵۸

[2] علامہ اقبال، کلیات اقبال، لاہور:اقبال اکادمی،۲۰۱۳ئ،ص:۲۳۷

[3] ایضاً ، ص: ۲۳۶

[4] زاہد حسین، علامہ اقبال سیرت و کردار کے آئینہ میں،لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۲۰۰۹، ص:۹۱

[5]وحید الدین، روزگار فقیر، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت،س۔ن،۱۹۴

[6]علامہ اقبال، کلیات اقبال، لاہور:اقبال اکادمی،۲۰۱۳ئ،ص:۳۱۰

[7]ایضاً، ص: ۳۵۵

[8] خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر ،پیش لفظ، تفہیم بالِ جبریل،لاہور:بزم اقبال، ۲۰۱۳ء

[8]منیب اقبال، " تعزیتی ریفرنس: ڈاکٹر جاوید اقبال"، مشمولہ راوی ، شمارہ ۱۰۲، لاہور: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی ، ۲۰۱۵ء ص:۵۲

[9]رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ، طبع دوم، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۰۱ئ،ص:۲۹

[10]سعادت سعید، ڈاکٹر ،اقبال ایک ثقافتی تناظر،طبع اول، لاہور:دستاویز مطبوعات، س۔ن، ص: ۹۵

[11]عطاء اللہ شیخ، اقبال نامہ،مجموعہ مکاتیب اقبال، یکجا، طبع اول، لاہور: اقبال اکادمی،۲۰۱۲ئ،ص:۹

[12]غلام صابر، اقبال شاعر فردا،طبع چہارم، لاہور:اقبال اکادمی،۲۰۱۰ئ،ص:۷۸

[13]معین الدین عقیل، ڈاکٹر، اقبال حیات و فکر کے نئے گوشے، لاہور: نشریات،۲۰۱۶ئ،ص: ۷

[14] زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، اقبال کا جہانِ نو،لاہور: تناظر مطبوعات،۲۰۱۶ئ،ص: ۱۳۹